۲۵

جماعت احمدیہ جنگ کے موقع پر حکومتِ انگریزی سے تعاون کرے

(فرمودہ ۸؍ستمبر ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''مَیں گزشتہ خطبۂ جمعہ میں جس وقت جنگ کے متعلق بعض خیالات کا اظہار کر رہا تھا عجیب بات ہے کہ اُس وقت اعلانِ جنگ ہو رہا تھا اور دُنیا پر جس آفت کے نازل ہونے کا ہمیں خوف تھا اُس وقت تک وہ آفت آ چکی تھی۔ مَیں نے جماعت کو اس خطبہ میں اُن فرائض کی طرف توجہ دلائی تھی جو جنگ کی صورت میں اس پر عائد ہوتے ہیں۔ مَیں آج اسی سلسلہ میں بعض مزید باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے تو مَیں بعض اُن لوگوں کے خیالات کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں جو بعض برطانوی نمائندوں کے سابق سلوک کی وجہ سے اپنے دلوں میں شکایت محسوس کرتے ہیں اور انگریزوں سے تعاون کرنے میں وہ بشاشت محسوس نہیں کرتے جو پہلے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان ایّام میں مجھے کئی ایسے لوگوں کے متعلق اطلاع ملی ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ محض اُن کے علم کی کمی ، اُن کے تجربہ کی کمی اور ان کی دین سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ گزشتہ پانچ سال سے انگریزوں کے لوکل نمائندوں نے بلکہ ایک زمانہ میں حکومتِ پنجاب کے

نمائندوں نے بھی جماعت سے جس قسم کا سلوک کیا وہ نہایت ہی ظالمانہ اور غیر منصفانہ تھا۔ بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اپنی طرف سے انہوں نے جماعت کو کُچلنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ اُنہوں نے اس کی عزت پر حملہ کیا، اس کے مال پر حملہ کیا، اس کی جائیدادوں پر حملہ کیا، اس کے نظام پر حملہ کیا، اسی طرح انہوں نے ہمارے نظام کو توڑنے کے لئے مختلف قسم کی سازشیں کیں۔ کہیں ہمارے اندر اُنہوں نے بغاوت پھیلانے کی کوشش کی، کہیں ہمارے مقدس مقامات چھیننے کے لئے دُشمن نے زور لگایا اور بعض حُکام بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گئے۔ کہیں ہمارے امن کو برباد کرنے کے لئے تدبیریں کی گئیں اور اس میں بعض مقامی حُکام کا بھی دخل تھا۔

پھر قادیان جو ہمارا مقدس مقام ہے اس میں اس قسم کے ظلم روا رکھے گئے کہ بار بار یہاں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا گیا، بچوں کی مجلسوں تک میں مجسٹریٹوں نے دخل دینے کی کوشش کی بلکہ جمعہ کے خطبے روکنے کی بھی کوشش کی گئی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مظالم اس تواتر اور تسلسل کے ساتھ ہم پر ہوتے رہے ہیں کہ اس وقت بھی کہ مجھے بعض اُن لوگوں کے خیالات کی تردید کرنے کے لئے جو موجودہ جنگ میں حکومتِ برطانیہ کے ساتھ تعاون کرنے میں بشاشت محسوس نہیں کرتے ضمناً ان واقعات کی طرف اشارہ کرنا پڑا ہے۔ میرا خون کھولنے لگا ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ ہر مخلص احمدی اس وقت تک اپنی جنگ مقامی حکومت کے ساتھ ختم نہ کرے گا جب تک ان حکام کو جو اِن شرارتوں کے بانی تھے سزا نہ ملے گی اور ان شرارتوں کا سدّ باب کر کے قادیان کو ہمارے مذہبی مرکز کی حیثیت میں حکومت تسلیم نہ کرے گی۔ آخر کونسا عقلمند پنجاب کے ذمہ دار حُکام کو دیانتدار سمجھ سکتا ہے اور اگر وہ پولینڈ کی مدد کے لئے تو پنجابیوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے دھواں دھار تقریریں کریں اور کمزوروں اور بے کسوں کی امداد کے نعرے لگائیں لیکن ان کی آنکھوں کے سامنے برطانوی رعایا کے بہترین وفادار طبقہ پر ظلم ڈھایا جائے اور وہ خاموش رہیں اور جب ان ظلموں کو ثابت کر دیا جائے تو وہ اپنے ماتحتوں کے افعال کے لئے ہزاروں غلط تاویلات تلاش کرنے میں لگ جائیں۔ یہ دونوں باتیں ایک وقت میں جمع نہیں ہوسکتیں اور مَیں ایک منٹ کے لئے بھی تسلیم نہیں کرسکتا کہ ایسے حکام بادشاہ معظم کے خیر خواہ ہیں۔ میرے نزدیک وہ بادشاہ معظم کے خیر خواہ نہیں بلکہ جاہ طلب حکام ہیں جن کی وفاداری کی کوششیں

صرف خطابات کے حصول یا عُہدوں کی زیادتی کی غرض سے ہیں۔ وہ ہم سے ہی بد دیانتی کا معاملہ نہیں کر رہے بلکہ مَلِکِ معظم اور برطانوی حکومت سے بھی ان کا معاملہ منافقانہ ہے اور خواہ وہ انگریز ہوں یا ہندوستانی وہ اپنی قوم ہی کے لئے نہیں انسانیت کے لئے بھی موجب عار اور ننگ ہیں اور برطانوی حکومت کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ اس قسم کے عنصر کو جس قدر جلد ہو سکے ذلیل اور رسوا کر کے الگ کر دیا جائے۔

مگر ان سب جذبات کے باوجود میں اس تعلیم کے دینے پر مجبور ہوں جو مَیں نے گزشتہ خطبہ میں بیان کی تھی اور مَیں اس پر بھی مجبور ہوں کہ جو نوجوان اس سے اختلاف کا اظہار کریں انہیں غلطی پر قرار دوں اور سلسلہ کی تعلیم کو نظر انداز کرنے والا قرار دوں۔ میرے نزدیک ہر اہم قدم جو انسان اُٹھاتا ہے اس سے پہلے اسے اپنے مختلف مصالح اور اپنے مختلف جذبات کے درمیان ایک فیصلہ کرنا پڑتا ہے جو اسے مختلف فیصلوں کی طرف کھینچ رہی ہوتی ہے۔ عقلمند انسان ایسے مواقع پر اس مصلحت کے مطابق جو سب سے اہم ہو اور ان جذبات کے مطابق جو سب سے مقدس ہوں فیصلہ کر دیتا ہے اور دوسری مصلحتوں اور دوسرے جذبات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ کبھی دین اور دُنیا کا مقابلہ ہو جاتا ہے تو وہ اگر دیندار ہو دینی مصالح کو دنیوی مصالح پر مقدم کر لیتا ہے، کبھی تمدن اور شخصی حقوق کا مقابلہ ہو جاتا ہے تو وہ تمدن کے مطالبہ کو پورا کرتے ہوئے اپنے شخصی حقوق کو نظر انداز کر دیتا، کبھی تہذیب اور وحشت کا مقابلہ ہو جاتا ہے تو وہ تہذیب کے مطالبہ کو پورا کرنے ہوئے اپنے وحشیانہ جذبات کو قُربان کر دیتا ہے۔ مَیں نے گزشتہ دو جلسوں پر تمدن کے متعلق اپنی تقریروں میں ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ تمدن کے معنی بعض جگہ اپنے حقوق کو نظر انداز کر دینے کے بھی ہوتے ہیں۔ ایک شخص کا گھر سینکڑوں سال سے چلا آتا ہے اس کے آباء واجداد کے تعلقات اس سے وابستہ ہوتے ہیں اور اس مکان کے ایک ایک کونہ سے اُسے محبت ہوتی ہے۔ کسی کونہ کی طرف وہ آنکھ اُٹھاتا ہے تو کہتا ہے یہاں میرے دادا جان کی چارپائی ہوا کرتی تھی، دوسرے کونہ کی طرف دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہاں میری دادی جان کی چارپائی ہوا کرتی تھی، تیسرے کونہ کی طرف دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہاں میرے والد صاحب کی چارپائی ہوا کرتی تھی اور چوتھے کونہ کی طرف دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہاں میری اماں جان کی

چار پائی ہوا کرتی تھی لیکن کبھی وہ مکان سڑک کے مقابل آ جاتا ہے اور گورنمنٹ کو وہ مکان جبراً اُٹھا دینا پڑتا ہے۔ ایسے وقت میں شخصی جذبات کے ماتحت شائد اسے یہ خیال بھی آ جائے کہ مَیں اس موقع پر قُربان ہو جاؤں مگر اپنے باپ دادوں کی نشانی مٹنے نہ دوں لیکن ایک متمدن انسان ہونے کی حیثیت سے وہ کہے گا کہ بے شک یہ ایک تلخ گھونٹ ہے جو مجھے پینا پڑے گا لیکن اگر میرے شہر یا میرے مُلک کا فائدہ اسی میں ہے کہ مَیں اپنے مکان کو قُربان کر دوں تو بہرحال چونکہ جس چیز کو قُربان کرنا ہے وہ چھوٹی ہے اور جس کے لئے قُربانی کرنی ہے وہ بڑی ہے اس لئے آؤ میں اسے اپنے ملک یا اپنے شہر کے فائدہ کے لئے قُربان کر دوں۔ بعض نوجوان جب عام جنگ کا اعلان سنتے ہیں تو اس سے ایک دو دن پہلے ہی وہ شادیاں کر کے بیویوں کو گھر پر لائے ہوتے ہیں مگر پھر بھی وہ اپنی قوم کی خاطر جنگ پر چلے ہی جاتے ہیں۔ ان کے شخصی جذبات انہیں بالکل اور طرف لے جارہے ہوتے ہیں مگر ان کے ملّی اور قومی جذبات انہیں اَور طرف لے جارہے ہوتے ہیں۔ ان کے شخصی جذبات انہیں کہتے ہیں کہ ہم اپنا گھر کیوں برباد کریں مگر ان کے ملّی جذبات انہیں کہتے ہیں کہ قوم کی ضرورت ہماری ضرورت سے بالا ہے اگر ہم جنگ پر جاتے ہیں تو شائد چند ایک عورتیں بیوہ ہو جائیں گی لیکن اگر ہم نہیں جاتے اور ہمیں دیکھتے ہوئے اَور آدمی بھی اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں تو ایک نہیں سارے ملک کی عورتیں بیوہ ہوں گی۔ پس وہ شخصی مطالبات کو قُربان کر دیتے ہیں اور قومی مطالبات کو پورا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض مواقع پر ایک طرف قومی جذبات ہوتے ہیں تو دوسری طرف اخلاقی فرض اور سچ کا مطالبہ اس حالت میں ہر متمدن انسان کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ بجائے قومی جذبات کی اقتداء کرنے کے سچ اور اخلاق کے مطالبات کو پورا کرے مثلاً اسلامی تعلیم کے ماتحت ہم کسی حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے اس سے بغاوت نہیں کر سکتے۔ اب خواہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ ہماری قوم پر ظلم ہو رہا ہے، جماعت پر ظلم ہو رہا ہے لیکن قرآن یہی کہے گا کہ نہیں تم نے بغاوت نہیں کرنی۔ ہاں جب بات حد سے گزر جائے اور پانی سر سے گزر جانے والا معاملہ ہو جائے تو پھر تم اس مُلک کو چھوڑ دو مگر بغاوت پھر بھی نہ کرو۔ اُس وقت یہ تو نہیں ہوتا کہ مومن ڈر کی وجہ سے خاموش ہوتا ہے۔ مومن کو اپنی جان کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اگر خدا اُسے اجازت دے

تو وہ اکیلا تمام دُنیا کے مقابلہ میں لڑ کر مَر جانے کے لئے تیار ہوتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے جو فرض اس پر عائد کیا گیا ہے وہ چونکہ اسے اپنے جذبات کے دبانے کا حُکم دیتا ہے۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے اور بغاوت یا فساد کے طریق کو اختیار نہیں کرتا اور یہ کام اس کا بزدلی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اعلیٰ ذمّہ داری کو پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

دُنیا نے آج تک معمولی ایمان والوں کو بھی کفار کے مقابلہ میں ڈرتے نہیں دیکھا۔ کُجا یہ کہ وہ لوگ ڈریں جن کے ایمان مضبوط ہوں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے انوار کو اپنی آنکھوں سے آسمان سے اُترتے دیکھا ہو۔ صحابہؓ کی قُربانیاں تو الگ رہیں تنزل کے زمانہ میں ان مسلمانوں کو جو قُربانیاں کرنی پڑیں جن کے ایمان صحابہؓ کی طرح مضبوط نہیں تھے وہ بھی ایسی شاندار ہیں کہ انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

سپین میں مسلمانوں کا جو حشر ہؤا وہ مسلمانوں کی تاریخ میں ایک تاریک ترین لمحہ تھا۔ مَیں سمجھتا ہوں کوئی مسلمان جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہو وہ سپین کے مسلمانوں کی اُس آخری جنگ کے حالات پڑھ کر جو انہیں عیسائیوں سے لڑنی پڑی بغیر اس کے نہیں رہ سکتا کہ اس کا دِل خون ہو جائے اور اس کی آنکھیں پُرنم۔ وہ کبھی ٹھنڈے دل سے ان واقعات کو نہیں پڑھ سکتا۔ وہ کبھی خشک آنکھوں سے ان واقعات کو نہیں پڑھ سکتا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ کوئی درد رکھنے والا مسلمان ساکن جسم سے ان واقعات کو نہیں پڑھ سکتا۔ ایک ذرّہ بھر ایمان رکھنے والا مسلمان بھی جب ان واقعات کو پڑھتا ہے اس کا دل دھڑکنے لگ جاتا ہے۔ اس کے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور اس کا جسم کانپنے لگ جاتا ہے۔ اسلام کی فوقیت کا جھنڈا لہرانے والا وہ مُلک جس نے یورپ پر سینکڑوں سال تک حکومت کی اور جس نے اسلام کی برتری اور فوقیت کو نہایت مضبوطی سے قائم رکھا اس میں سے جب مسلمان نکلنے پر مجبور ہوئے تو اُنہیں حُکم دے دیا گیا کہ وہ اپنا بوریا بستر باندھ لیں اور چند ہفتوں کے اندر اپنے مُلک کو خیر باد کہہ دیں ورنہ ان سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ وہ مُلک جس نے اسلام کی شان وشوکت کو اس طرح قائم رکھا کہ شاید بغداد کی اسلامی حکومت بھی اُس طرح اسلامی شان وشوکت کو قائم نہیں رکھ سکی۔ آج وہاں اسلام کا نام ونشان بھی نہیں۔ سوائے ان چند عمارتوں کے جو مسلمانوں نے عہدِ ماضی کی یادگار

کے طور پر اب تک وہاں موجود ہیں۔

غرض اُس آخری لمحہ میں جب ہسپانوی اسلامی حکومت کا صرف آخری شہر باقی تھا اور دُشمن نے اس کا چاروں طرف سے محاصرہ کیا ہوا تھا اور عیسائی بادشاہ نے مسلمان بادشاہ کو آخری نوٹس دے دیا تھا کہ یا تو ہم اس شہر کو فتح کر کے تم سب کو قتل کر دیں گے یا پھر آخری موقع ہم تمہیں یہ دیتے ہیں کہ تم اپنا بوریا بستر باندھ کر یہاں سے چلے جاؤ۔ ہم تمہیں جانے کی اجازت دے دیں گے اور تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے دو تین جہاز بھی مقرر کر دیئے اور کہہ دیا کہ جتنا سامان ان جہازوں پر آ سکے اُتنا سامان لا دلیا جائے اور باقی سب شہر میں ہی رہنے دیا جائے۔ مسلمانوں کی مجلس اس الٹی میٹم پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوئی اور مشورہ ہونے لگا کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اگر وہ ایمانی جرأت سے کام لیتے اور عیسائی لشکر سے لڑائی کے لئے تیار ہو جاتے تو شائد وہ کامیاب ہی ہو جاتے۔ کیونکہ وہ اتنے کمزور نہیں تھے کہ عیسائی لشکر کا مقابلہ نہ کر سکتے مگر چونکہ سب کے دلوں پر یہ رُعب تھا کہ اسلامی حکومت کے ہاتھ سے ایک ایک کر کے تمام شہر نکل گئے ہیں اور اب صرف یہی ایک شہر باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے اُنہوں نے سمجھا کہ اب ہمارا مقابلہ کرنا فضول ہے۔ چنانچہ ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے رئیس کے سامنے یہ سوال پیش ہوا اور ہر ایک نے پُرنم آنکھوں سے کہا کہ جواب تو ظاہر ہی ہے۔ ہم میں اب مقابلہ کی کوئی طاقت نہیں۔ جس وقت بڑے بڑے رؤساء اور لیڈر یہ جواب دے رہے تھے ایک نوجوان فوجی افسر کھڑا ہوا اور اس نے کہا میرے نزدیک اسلامی غیرت ہمیں یہ جواب دینے کی اجازت نہیں دیتی۔ میرے نزدیک ہمیں عیسائیوں کا اپنی پوری قوت سے مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اگر ہم مارے گئے تو شہید ہوں گے اور اگر جیت گئے تو دُنیا میں عزت کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ اُس کے اس جواب کو تمام درباریوں نے تعجب کی نگاہ سے دیکھا اور کہا تم یہ کیا کہتے ہو؟ کیا ہمارے دلوں میں جوش نہیں؟ کیا ہمارے قلوب میں ایمان نہیں؟ جوش اور ایمان ہمارے دلوں میں بھی ہے مگر ہم جانتے ہیں کہ ہم میں اب لڑنے کی طاقت نہیں۔ جب تمام درباریوں اور تمام چھوٹوں اور بڑوں نے یہ جواب دیا تو اُس اکیلے نوجوان نے جبکہ عیسائیوں کی ایک لاکھ فوج شہر کا محاصرہ کئے پڑی تھی

تلوار اپنی میان سے نکال لی اور یہ کہتے ہوئے مجلس سے نکل گیا کہ اگر آپ لوگ اس ذلّت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں تو آپ کی مرضی ہے لیکن میری اسلامی غیرت تو اس کی اجازت نہیں دیتی اور وہ وہاں سے سیدھا عیسائی لشکر کی طرف گیا اور اکیلے ہی دُشمن کے لشکر پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے مارا گیا مگر تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ مارا گیا وہ اس کا جسم تھا اس کی روح نہیں ماری گئی۔ اس کی رُوح اب تک ہمارے دلوں اور ہمارے دماغوں میں زندہ ہے۔ آج بھی کوئی مسلمان جب تاریخ کے اندھیرے کونے سے اس واقعہ کو نکالے گا اس کے دل سے اس نوجوان کے لئے بے اختیار دُعا نکلے گی اور وہ کہے گا یہ آخری مسلمان تھا جو سپین میں موجود تھا اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ نے اسلام کو حیاتِ تازہ بخشی۔ اس نشأۃ ثانیہ میں ایسے لوگوں کی روحیں پھر ظاہر ہوں گی۔ پھر ہسپانیہ محمد رسول اللہ کے جھنڈے کے نیچے آئے گا اور اس دفعہ اس طرح آئے گا کہ پھر نہیں نکل سکے گا۔

غرض مومن ڈرپوک نہیں ہؤا کرتا، مومن بُزدل نہیں ہؤا کرتا۔ ہم نے اگر پچھلے مظالم برداشت کئے تو اس لئے نہیں کہ ہمیں جانیں دینی نہیں آتی تھیں۔ اگر خدا کا قانون ہمیں اجازت دیتا تو ہم قادیان اور اس کے مقدس مقامات کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں خوشی سے دے دیتے اور کبھی ان غدار حُکام کے مظالم برداشت نہ کرتے جو ہمارے ہی نہیں حکومت کے بھی مجرم تھے مگر خدا کا یہی حکم تھا کہ ہم خاموش رہیں۔ پس ہم خاموش رہے۔ اس نے ہمیں کہا کہ جو قانون مَیں نے تمہارے لئے بنایا ہؤا ہے اس کی پابندی کرو اور ہم نے اس کی پابندی کی۔ پس ایک موقع ایسا بھی آتا ہے جب قومی غیرت بھی یہی کہتی ہے کہ قُربان ہو جاؤ مگر خدا کہتا ہے نہیں تم خاموش رہو۔

کیا ہی عجیب نظارہ ہمیں نظر آتا ہے جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلح حدیبیہ کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور کفار صلح کے لئے شرائط پیش کر رہے تھے۔ صحابہ اپنے دلوں میں ایک آگ لئے بیٹھے تھے اور ان کے سینے ان مظالم کی تپش سے جَل رہے تھے جو کفار کی طرف سے بیس سال سے ان پر کئے جا رہے تھے ان کی تلواریں میانوں سے باہر نکلی پڑتی تھیں اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح موقع آئے تو ان مظالم کا جو انہوں نے اسلام پر کئے ہیں بدلہ لیا جائے

مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفار کی باتیں سُنیں اور جب یہ تجویز ان کی طرف سے پیش ہوئی کہ آؤ ہم آپس میں صلح کر لیں تو آپ نے فرمایا بہت اچھا ہم صلح کر لیتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ شرط یہ ہے کہ اس سال تم عمرہ نہیں کر سکتے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بہت اچھا اس سال ہم عمرہ نہیں کریں گے۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ دوسرے سال جب آپ عمرہ کے لئے آئیں تو یہ شرط ہوگی کہ آپ مکّہ میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بہت اچھا مجھے یہ شرط بھی منظور ہے۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ آپ کو مسلّح ہو کر مکّہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا ہم مسلّح ہو کر مکّہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ صلح کا معاہدہ طے ہو رہا تھا اور صحابہ کے دل اندر ہی اندر جوش سے اُبل رہے تھے۔ وہ غصّہ سے تلملا رہے تھے مگر کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ اُنہوں نے جب یہ معاہدہ لکھنا شروع کیا تو اُنہوں نے لکھا کہ یہ معاہدہ ایک طرف تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے ہے اور دوسری طرف مکّہ کے فلاں فلاں رئیس اور مکّہ والوں کی طرف سے ہے۔ اس پر کفار بھڑک اُٹھے اور اُنہوں نے کہا ہم ان الفاظ کو برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو رسول اللہ نہیں مانتے۔ اگر مانتے تو ان سے لڑائی کس بات پر ہوتی۔ ہم تو ان سے محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے معاہدہ کر رہے ہیں محمد رسول اللہ کی حیثیت سے معاہدہ نہیں کر رہے۔ پس یہ الفاظ اس معاہدہ میں نہیں لکھے جائیں گے۔ اس وقت صحابہ کے جوش کی کوئی انتہا نہ رہی اور وہ غصّہ سے کانپنے لگ گئے۔ اُنہوں نے سمجھا اب خدا نے ایک موقع پیدا کر دیا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی بات نہیں مانیں گے اور ہمیں ان سے لڑائی کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جائے گا مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں معاہدہ میں سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دینا چاہئے۔ علی! اِس لفظ کو مٹا دو مگر حضرت علیؓ ایسے انسان جو فرمانبرداری اور اطاعت کا نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا نمونہ تھے ان کا دل بھی کانپنے لگ گیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ لفظ مجھ سے نہیں مٹایا جاتا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا لاؤ مجھے کاغذ دو اور کاغذ لے کر جہاں

رسول اللہ کا لفظ لکھا تھا اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔[۱] تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نظارہ صحابہ کے لئے کتنا صبر آزما تھا مگر اُنہوں نے اس تکلیف کو برداشت کیا۔ اُنہوں نے اپنے جذبات کو قُربان کیا اور اس طرح ثابت کر دیا کہ ایک مسلمان کی زندگی ہر رنگ میں اپنے خدا کے لئے ہوتی ہے۔ ہم قرآن میں بار بار خدا تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مکالمہ پڑھتے ہیں مگر غفلت کی حالت میں اس آیت پر سے گزر جاتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ خدا تعالیٰ نے اس سوال کو کتنی اہمیت دی ہے جو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا اور جس کا ذکر قران کریم میں اس طرح کیا گیا ہے کہ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۲﴾[۲] یعنی خدا نے ابراہیم سے کہا اَسْلِمْ اور اس نے کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یہاں اَسْلِمْ کے معنی مسلمان ہونے کے نہیں ورنہ اس کا مفہوم یہ بنے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی پہلے ہوئے اور مسلمان بعد میں۔ حالانکہ عام حالات میں اسلام بہت معمولی چیز ہے اور اس کے آگے انسانی ترقی کے لئے بہت سے مدارج ہیں۔ پہلے انسان صالح بنتا ہے پھر شہید بنتا ہے پھر صدیق بنتا ہے پھر نبی بنتا ہے اور پھر ان صلحاء، شہداء اور صدیقین کے ہزاروں درجے ہیں۔ صالحین بھی ہزاروں درجے کے ہیں اور شہداء بھی ہزاروں درجے کے ہیں اور صدیق بھی ہزاروں درجے کے ہیں اور نبی بھی ہزاروں درجے کے ہیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف نبی نہیں بلکہ ابوالانبیاء ہو جاتے ہیں اور خدا انہیں کہتا ہے اَسْلِمْ اور ابراہیم کہتا ہے اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پس اس جگہ اَسْلِمْ سے مراد مسلمان ہونا نہیں بلکہ اَسْلِمْ سے مراد کامل فرمانبردار ہونا ہے۔ گویا خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ اے ابراہیم تو ہمارا کامل فرمانبردار ہو جا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا خدایا میں ہو گیا۔ یہ اَسْلِمْ والا مقام وہی ہے جب نفس کے اندر جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ خدا کے لئے قُربان ہو جاتے ہیں اس کے اندر سے کوئی آواز نہیں اُٹھتی۔ سب آوازوں کا اُٹھنا بند ہو جاتا ہے اور انسان اپنے رب کا کامل فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ یہ مقام کوئی معمولی مقام نہیں ہے یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کے اندر ایک شیطان ہوتا ہے اور میرے اندر بھی وہ شیطان ہے مگر میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے[۳] تو اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کے معنی درحقیقت یہی ہیں کہ میرے اندر کا شیطان مسلمان ہو گیا ہے اور وہ روح بھی نکل گئی ہے جو کبھی تکلیف کے وقت میں، کبھی مصائب کے وقت میں اور کبھی غیرت کے مواقع پر احتجاج کرنا چاہتی ہے اور خدائی احکام کے خلاف ایک مخفی احتجاج کرتی ہے۔ وہ احتجاج کی رُوح بھی مٹ گئی ہے اور اب وہ کامل مسلمان ہو گئی ہے۔ یہی وہ رُوح ہے جس کے متعلق ایک دفعہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ مَیں نے تم کو بہت حُکم دیئے مگر مَیں نے تم سے مخلص ترین لوگوں کے اندر بھی بعض دفعہ احتجاج کی روح دیکھی مگر ابوبکرؓ کے اندر میں نے یہ روح کبھی نہیں دیکھی۔[۴] چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا انسان بھی گھبرا گیا اور وہ اسی گھبراہٹ کی حالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے اور کہا کہ کیا ہمارے ساتھ خدا کا یہ وعدہ نہیں تھا کہ ہم عمرہ کریں گے۔ اُنہوں نے کہا ہاں خدا کا وعدہ تھا اُنہوں نے کہا کیا خدا کا ہمارے ساتھ یہ وعدہ نہیں تھا کہ وہ ہماری تائید اور نصرت کرے گا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں تھا۔ اُنہوں نے کہا تو پھر کیا ہم نے عمرہ کیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ عمرؓ! خدا نے کب کہا تھا کہ ہم اسی سال عمرہ کریں گے؟ پھر اُنہوں نے کہا کیا ہم کو فتح ونصرت حاصل ہوئی؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ خدا اور اُس کا رسُول فتح ونصرت کے معنے ہم سے بہتر جانتے ہیں مگر عمرؓ کی اس جواب سے تسلی نہ ہوئی اور وہ اسی گھبراہٹ کی حالت میں رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا خدا کا ہم سے یہ وعدہ نہ تھا کہ ہم مکّہ میں طواف کرتے ہوئے داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اُنہوں نے عرض کیا کیا ہم خدا کی جماعت نہیں؟ اور کیا خدا کا ہمارے ساتھ فتح ونصرت کا وعدہ نہیں تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں، تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو یَا رَسُوْلَ اللہ! کیا ہم نے عمرہ کیا؟ آپ نے فرمایا خدا نے کب کہا تھا کہ ہم اِسی سال عمرہ کریں گے۔ یہ تو میرا خیال تھا کہ اس سال عمرہ ہوگا۔ خدا نے تو کوئی تعیین نہیں کی تھی۔ اُنہوں نے کہا تو پھر فتح ونصرت کے وعدے کے کیا معنے ہوئے؟ آپؐ نے فرمایا نُصرت خدا کی ضرور آئے گی اور جو وعدہ اُس نے کیا ہے وہ بہرحال پورا ہوگا۔[۵] گویا جو جواب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا وہی جواب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیا۔

تو اگر صرف غیرت کا سوال ہو تو جس طرح اس معاملہ میں دوسروں کو غیرت ہے اسی طرح مجھ کو بھی غیرت ہے بلکہ مجھے چونکہ وہ تمام شرارتیں معلوم ہیں جو حکام ہمارے سلسلہ کے خلاف کیا کرتے تھے اس لئے میرے دل میں دوسروں کی نسبت زیادہ غیرت پیدا ہوتی ہے لیکن خدا تعالیٰ کا قانون ان ساری چیزوں سے بالا ہے اور خدا تعالیٰ کی مشیّت ان ساری چیزوں سے بالا ہے۔ بسا اوقات ایک چیز بُری نظر آتی ہے مگر اپنے نتائج کے لحاظ سے اچھی ہوتی ہے اور بسا اوقات انسان قانون کی پابندی کو اپنے لئے تکلیف دہ سمجھتا ہے مگر کامیابی کے لئے اس کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم ہے کہ تم جس حکومت میں رہو اُس کی بغاوت نہ کرو اور نہ کبھی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرو۔ بظاہر پچھلے کانگرس کے جھگڑوں کو دیکھتے ہوئے اس اصل کی کمزوری ثابت ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک وقت خواہ اس اصل پر کاربند ہونا دوبھر معلوم ہوتا ہو دُنیا کو تاریخ پر مجموعی طور پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ یہی اصل دُنیا میں امن کے قیام کا ذریعہ ہے۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص یا چند اشخاص سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے مگر خدا تعالیٰ نے اس قوم کے اندر جس کے بعض افراد کے ذریعہ تکلیف پہنچی ہوتی ہے کوئی بھلائی پوشیدہ رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اب ہمارا نفس تو یہ کہتا ہے کہ ہمیں ساری قوم سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہئے مگر خدا جو عالم الغیب ہے وہ جانتا ہے کہ انجام کے لحاظ سے کونسی بات مُفید ہوسکتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انگریزی حکومت میں پیدا کیا۔ مگر بہر حال اللہ تعالیٰ کا یہ فعل بتاتا ہے کہ اسی حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے اور اس کے قوانین سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت ترقی کرے گی۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک اور موقع پر بیان فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جب انگریزوں اور روسیوں کی جنگ ہوگی۔ آپ فرماتے ہیں یہ خطرناک جنگ جو ہونے والی ہے اس وقت نہ معلوم ہم زندہ ہوں یا نہ ہوں اس لئے ہم دُعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس گورنمنٹ کو ہر شر سے محفوظ رکھے اور اس کے دُشمن کو ذلّت کے ساتھ پسپا کرے

تا کہ اس حکومت نے جو مذہبی آزادی ہمیں دے رکھی ہے اس کا بدلہ ہو۔

بعید نہیں کہ اس پیشگوئی اور دُعا کا تعلق موجودہ جنگ سے ہی ہو کیونکہ اسی جنگ میں انگریزوں اور روسیوں کی لڑائی کا خطرہ ہے۔ پچھلی جنگ میں رُوسی شروع سے انگریزوں کے ساتھ تھے مگر اس جنگ میں ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں کہ امکان ہے روس اور برطانیہ کی جنگ چھڑ جائے اور اگر ایسا ہو گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دُعا کے ماتحت مجھے یقین ہے کہ فتح انگریزوں کو ہی ہوگی۔ آج مجھے اُن کی فتح کا اتنا یقین نہیں جتنا یقین مجھے اس وقت ہوگا۔ اگر اس جنگ میں روسی انگریزوں کے خلاف شامل ہو گئے کیونکہ اس صورت میں اس دُعا کی وجہ سے میں یقین رکھتا ہوں کہ غلبہ انگریزوں کو ہی ہوگا گو دُنیوی لحاظ سے جب دُشمن زیادہ ہو جاتے ہیں تو فتح کا امکان کم ہو جاتا ہے مگر جہاں اللہ تعالیٰ کا قانون شامل ہو جائے وہاں فیصلہ طاقت کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ خدا کے فیصلہ کے مطابق ہوتا ہے۔

پس اگر روسی اس جنگ میں جرمنی کے ساتھ شامل ہو جائیں تو مجھے اسی دن سے یہ یقین ہو جائے گا کہ بالآخر انگریزوں کو ہی فتح ہوگی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی فتح کے متعلق دُعا کر چکے ہیں۔

پس دوستوں کو ایک بات تو مَیں کہنا چاہتا ہوں کہ سلسلہ کے مٹانے کے لئے بے شک حکومت کے بعض نمائندوں نے بہت کچھ زور لگایا بلکہ اب تک زور لگا رہے ہیں اور پنجاب گورنمنٹ بھی بعض مواقع پر درمیان میں کودتی رہی ہے اور اس وقت بھی ہمارے لئے امن نہیں اور اب بھی ہمارے مقدس مذہبی مقامات چھیننے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کی جاتی ہیں مگر باوجود اس کے ہم وہ حُکم نظر انداز نہیں کر سکتے جو خدا اور اس کے رسُول کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا ہے اور نہ ہم وہ پیشگوئیاں نظر انداز کر سکتے ہیں جنہوں نے ہمیں آئندہ کا راستہ بتایا ہوا ہے۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ کوئی زمانہ ایسا بھی آئے گا جب ہمیں انگریزی قوم کے ایک حصّہ سے لڑنا پڑے گا۔ مگر ہماری لڑائی مادی ہتھیاروں سے نہیں ہوگی بلکہ ویسی ہی ہوگی جیسے آجکل احرار سے ہماری جنگ ہے۔ کیونکہ اُس وقت انگریزی قوم کے ایک حصہ کو جب یہ محسوس ہوگا کہ انگریز احمدیت میں داخل ہوتے جا رہے ہیں تو وہ ہم سے فساد کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے

اور ہمارا فرض ہوگا کہ ہم ان کا مقابلہ کریں مگر وہ زمانہ ابھی دُور ہے۔ موجودہ زمانہ کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں اُن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنا پڑے گا اور ان کے قوانین احمدیت کی ترقی کے لئے ممد ہوں گے اور جہاں جہاں ان کی حکومت ہوگی وہاں احمدیت کی تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے راستہ کُھل جائے گا اور اس کا عملی ثبوت اس بات سے مل سکتا ہے کہ ہندوستان سے باہر جن ممالک میں انگریزوں کی حکومت نہیں وہاں ہم نے جب تبلیغ کی تو ہمارے راستہ میں روکیں حائل کرنے کی کوشش کی گئی۔

بیشک بعض اور ممالک بھی ہیں جہاں ہمیں تبلیغ میں آسانی ہے مگر وہ بہت کم ہیں۔ اکثر ایسے ہی ہیں جہاں تبلیغ میں روکیں ڈالی جاتی ہیں ایسی صورت میں انگریزوں کے ساتھ تعاون نہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ جہاں ہماری تبلیغ کے راستے کھلے ہیں وہاں بھی احمدیت کی ترقی رُک جائے۔ اب ایک طرف ہماری غیرتیں ہوں اور دوسری طرف یہ نتیجہ تو کونسا احمدی یہ برداشت کرے گا کہ تبلیغ تو بیشک بند کر دی جائے مگر اس کی غیرت کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تبلیغ اگر بند ہوتی ہے تو ہو جائے، میری غیرت کا تقاضا پورا ہونا چاہئے۔ تو مجھے تو اس کے متعلق یہی شُبہ پڑ جائے گا کہ وہ احمدی نہیں ہے بلکہ احمدیت کا دُشمن ہے۔ بہرحال ہم اس وقت خون کا گھونٹ پئیں گے۔ اپنے نفسوں پر جبر کریں گے اور جس امر میں خدا کی بڑائی ہے اسے قبول کرلیں گے اور کہیں گے جہاں ہم نے اسلام اور احمدیت کے لئے اور قُربانیاں کیں وہاں ہم نے اپنے جذباتِ غیرت کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قُربان کر دیا۔ یہ قُربانی معمولی قُربانی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی اہمیت رکھنے والی ہے۔ کیونکہ جذبات غیرت کو قُربان کرنا معمولی بات نہیں ہوتی۔ پس مَیں جماعت کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منشاء کو سمجھے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کو سمجھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریق عمل کو سمجھے جب تک لوکل حکام کا سوال تھا اس وقت تک معاملہ بالکل اَور حیثیت رکھتا تھا مگر اب معاملہ بالکل اور حیثیت رکھتا ہے۔ جب تک لوکل حکام کے ساتھ ہمارا جھگڑا تھا اُس وقت تک ہمارے جھگڑے کی ایسی ہی نوعیت تھی جیسے زید یا بکر کے ساتھ جھگڑا ہو جائے۔ چنانچہ دیکھ لو مَیں خود بھی اس وقت کئی رنگ میں ان کا مقابلہ کرتا رہا کیونکہ

زید یا بکر سے جھگڑا ہماری تبلیغ کے رستہ میں روک نہیں۔ اگر کوئی بے دین اور شریر افسر حکومت سے تنخواہ لے کر ایک وفادار جماعت کو دِق کرنا شروع کر دے تو اگر ہم اس کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہم اپنی تبلیغ کے راستہ کو بند نہیں کرتے بلکہ ایک شریر کو سیدھا کرتے ہیں مگر اب معاملہ ایک دو شریر افسروں تک محدود نہیں بلکہ اس وقت حکومتِ برطانیہ اپنے سارے مجموعہ نظام سمیت خطرہ میں ہے اور بالکل ممکن ہے اگر اس طرف سے کمزوری دکھائی جائے تو حکومت انگریزی کو شکست ہو جائے اور اس کے علاقے کسی دوسری حکومت کے ماتحت چلے جائیں اور اس طرح مذہبی آزادی جاتی رہے اور ہماری تبلیغ رُک جائے۔ پس اس معاملہ کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے اور وہ راہ اختیار نہیں کرنی چاہئے جو نادانی اور ہلاکت کی ہے۔ کئی نادان نوجوان ہیں جو مجھے کہتے رہتے ہیں کہ آپ احرار کے فتنہ کے وقت تو یہ کہتے تھے اور اب یہ کہتے ہیں۔ وہ نادان یہ نہیں جانتے کہ اس وقت صرف مقامی حکام کا معاملہ تھا مگر اب تمام برٹش ایمپائر کا معاملہ ہے اور دُنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی چھوٹی چیز کے مقابلہ میں بڑی چیز آ جائے تو ہمیشہ چھوٹی چیز کو قُربان کر دیا جاتا ہے اور بڑی چیز کو بچا لیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک بچہ شمع کو انگلی لگا رہا ہو تو ہم اسے ڈانٹیں گے اور کہیں گے انگلی جل جائے گی اس کی حفاظت کرو مگر کسی دوسرے موقع پر جب ہمارے کسی عزیز کو خدانخواستہ کینسر ہو جائے تو ہم کہنی تک اس کا ہاتھ کٹوا دیں گے۔ اب اگر کوئی کہے کہ اس وقت تو آپ شمع کو انگلی بھی نہیں لگانے دیتے تھے اور آج کہہ رہے ہیں کہ فلاں شخص کہنی تک اپنا ہاتھ کٹوا دے۔ تو وہ احمق ہی ہوگا کیونکہ ہم نے پہلی بات اس وقت کہی تھی جب شمع کے مقابلہ میں انگلی تھی اور دوسری بات اس وقت کہی ہے جب ہاتھ کے مقابلہ میں جان ہے۔ پہلی حالت میں یہ ضروری تھا کہ انگلی کی حفاظت کی جاتی اور دوسری حالت میں یہی ضروری تھا کہ ہاتھ کو کہنی تک کٹوا دیا جاتا۔ اسی طرح اگر اس وقت جنگ جاتی رہے اور وہی امن کی صورت ہو جائے جو پہلے تھی اور پھر ہمیں بدمعاش اور شریر حکام دِق کریں تو پھر میں وہی بات کہوں گا جو مَیں نے پہلے کہی تھی اور اگر پھر دوبارہ انگریزی حکومت خطرہ میں پڑ جائے تو مَیں پھر وہی بات کہوں گا جو اَب کہہ رہا ہوں کیونکہ اس صورت میں معاملہ کی نوعیت بالکل اَور ہو جاتی ہے اور مومن کا فرض ہوتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر کام کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن ہر کام

حکمت کے ماتحت کرتا ہے اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام حکیم بھی آیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق جو پیشگوئی کی گئی ہے اس میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ **یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ**[٦] وہ نبی ان کو کتاب اور حکمت سکھائے گا اور چونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں اس لئے حکمت کے ماتحت احکام بھی بدلتے رہیں گے۔ جب اسلام اور غیر اسلام کا مقابلہ ہوگا تو اس وقت ہم اسلام کو ترجیح دیں گے۔ جب ہمارے جذبات غیرت کا اسلامی احکام سے مقابلہ ہوگا تو اس وقت ہم اسلامی احکام کو ترجیح دیں گے اور جب ہمارے جذبات اور دوسروں کے جذبات کا مقابلہ ہوگا تو اس وقت اگر ہمارے جذبات نیکی پر مبنی ہوں گے تو ہم ان کو ترجیح دیں گے اور اگر دوسروں کے جذبات نیکی پر مبنی دکھائی دیں گے تو دوسروں کے جذبات کو ترجیح دیں گے۔

غرض جس چیز میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہوتی ہے مومن تو وہی امر اختیار کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مومن تو خدا کا بندہ ہوتا ہے اُسے کسی اَور سے واسطہ ہی نہیں ہوتا۔ پھر آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب بندوں کے نوکر آقا کے سوا کسی اَور کی بات نہیں مانتے تو مومن اپنے خدا کا بندہ ہو کر کسی اَور کی بات کس طرح مان سکتا ہے۔ اِسی ضمن میں آپ بطور مثال فرمایا کرتے تھے کہ ایک راجہ تھا جس نے ایک دن بینگن کا بھرتہ کھا لیا اور وہ اسے بہت ہی مزیدار معلوم ہؤا۔ دربار میں وہ بیٹھا ہؤا تھا کہ اَور باتوں کے دوران میں وہ کہنے لگا بینگن کی طرف پہلے ہمارا کبھی خیال ہی نہیں گیا تھا وہ تو بڑی مزیدار چیز ہے۔ مَیں نے اس کا بھرتہ کھایا اور مجھے بہت ہی اچھا معلوم ہؤا۔ جب راجہ نے یہ بات کہی تو ایک درباری کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا حضور بینگن کا کیا کہنا ہے فلاں طبیب نے اس کے یہ فوائد لکھے ہیں اور فلاں طبیب نے اس کے وہ فوائد لکھے ہیں۔ آخر ہر چیز کے کچھ فائدے ہوتے ہیں اور کچھ نقصان۔ بینگن کے بھی طبیبوں نے بہت سے فائدے لکھے ہیں اور بہت سے نقصان بھی لکھے ہیں۔ اسے چونکہ راجہ کے خیال کی تائید کرنا مقصود تھا اس لئے اس نے صرف خوبیاں گننی شروع کر دیں اور کہا کہ حضور اس میں یہ بھی خوبی ہے اور وہ بھی خوبی ہے۔ پھر کہنے لگا حضور اس کی ظاہری شکل بھی تو ملاحظہ فرمائیں بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی صوفی گوشۂ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہا ہو۔

(صوفیا عموماً سبز عمامہ پہنا کرتے تھے اور جبّہ ان کے جسم پر ہوتا تھا) راجہ نے چند دن بینگن کھانے میں خوب افراط سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بواسیر ہوگئی پھر ایک دن جو اس نے دربار کیا تو پھر بینگن کا ذکر چھیڑ دیا اور کہنے لگا کہ ہم نے سمجھا تھا بینگن کوئی اچھی چیز ہے مگر معلوم ہوا کہ وہ بہت بُری چیز ہے۔ مجھے تو اس کے کھانے سے بواسیر ہوگئی ہے۔ یہ سُنتے ہی وہی درباری اُٹھا اور کہنے لگا حضور بینگن واقع میں نہایت بُری چیز ہے فلاں طبیب نے اس کے یہ نقصانات لکھے ہیں اور فلاں طبیب نے اس کے وہ نقصانات لکھے ہیں۔ غرض اس نے وہ تمام نقصانات گن دیئے جو اطباء نے اس کے لکھے تھے اور آخر میں کہنے لگا حضور اس کی شکل بھی دیکھیں کیسی منحوس ہے۔ یہ بیل میں لٹکا ہوا بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی چور کا ہاتھ مُنہ کالا کر کے پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہو۔ کسی نے اسے کہا کہ تھوڑے ہی دن ہوئے ہمارے سامنے تو نے اس کی خوب تعریف کی تھی اور آج تو ہی اس کی مذمت کر رہا ہے تو وہ کہنے لگا مَیں راجہ کا نوکر ہوں بینگن کا نوکر نہیں۔ تو انسانوں کی نوکری میں بھی بعض لوگ اطاعت کو درجہ کمال تک پہنچا دیتے ہیں۔ حالانکہ انسان بعض دفعہ جھوٹ بھی بول لیتا ہے، بعض دفعہ مبالغہ بھی کر لیتا ہے۔ بعض دفعہ دوسرے کو گمراہ بھی کر دیتا ہے مگر وہ خدا جس کی اطاعت میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور جس نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جو نقصان پہنچانے والا ہو اس کے احکام کی اطاعت کا انسان وہ اہتمام نہیں کرتا جو دُنیوی ملازمتوں میں کرتا ہے۔ حالانکہ اصل وجود جس کی اطاعت میں کسی کو دریغ نہیں ہونا چاہیئے وہ خدا کا ہی وجود ہے۔ باقی بندے تو جھوٹ بھی بول سکتے ہیں، فریب بھی کر سکتے ہیں، گمراہ بھی کر سکتے ہیں اور صداقت سے بھی منحرف کر سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو نہ جھوٹ بولتی ہے، نہ گمراہ کرتی ہے، نہ غلطی کھاتی ہے۔ اِس لئے خدا کے معاملہ میں اگر کوئی شخص وہی رنگ رکھتا ہے جو اس نوکر نے اپنے آقا کے متعلق رکھا تو وہ ضرور ہدایت پا جاتا ہے۔ تم خود ہی سوچ لو جو شخص یہ کہہ دے کہ جو کچھ قرآن کہے گا وہی میں مانوں گا وہ کس طرح گمراہ ہوسکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص تھے وہ تھے تو اَن پڑھ مگر اُنہوں نے دس بارہ حج کئے ہوئے تھے۔ اُس زمانہ میں حج کرنا بہت مُشکل تھا کیونکہ بعض علاقوں میں ریل گاڑی

نہیں تھی اور کئی جگہ پیدل جانا پڑتا تھا وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بھی دوست تھے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے بھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب دعویٰ کیا کہ حضرت مسیح ناصری فوت ہو چکے ہیں اور اپنی مسیحیت کا بھی اعلان کیا تو تمام ہندوستان میں ایک شور مچ گیا۔ ان دنوں لاہور میں حضرت خلیفہ اوّل جموں سے رخصت لے کر آئے ہوئے تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی بھی وہاں جا پہنچے اور انہوں نے آپ کو مباحثہ کا چیلنج دے دیا اور کہا کہ صرف حدیثوں سے وفات مسیح کے مسئلہ پر بحث ہونی چاہئے۔ حضرت خلیفہ اوّل فرماتے کہ حدیث حاکم نہیں بلکہ قرآن حاکم ہے۔ پس ہمیں اس معاملہ میں قرآن کریم کی آیات سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ اس پر کئی دن بحث ہوتی رہی اور ایک دوسرے کی طرف سے اشتہارات بھی نکلتے رہے۔ وہ چونکہ دونوں کے دوست تھے اس لئے اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ اس جھگڑے کو نپٹانا چاہئے۔ اُنہوں نے اپنے دل میں یہ سمجھا کہ مرزا صاحب نیک آدمی ہیں اُنہوں نے کوئی ایسی بات کہی ہوگی جسے مولوی محمد حسین بٹالوی سمجھے نہیں اور چونکہ ان کی طبیعت میں غصّہ زیادہ ہے اس لئے وہ جوش میں آ کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہوں گے ورنہ یہ نہیں ہو سکتا کہ مرزا صاحب قرآن کریم کے خلاف کوئی بات کہیں اور ان پر کفر کے فتویٰ لگانے کی ضرورت پیش آ جائے۔ یہ مخالفت ضرور کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے اور میرا فرض ہے کہ مَیں اس کو دور کروں۔ چنانچہ وہ بڑے جوش سے قادیان آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے مَیں نے سُنا ہے آپ کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ وہ کہنے لگے مَیں تو سمجھتا تھا آپ نے قرآن کے خلاف کوئی بات نہیں کہی ہوگی اور مولوی محمد حسین بٹالوی یونہی کسی غلط فہمی کے ماتحت آپ کے دُشمن ہو گئے ہیں مگر اب معلوم ہؤا کہ آپ نے واقع میں قرآن کے خلاف عقیدہ اختیار کر لیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا یہ قرآن کے خلاف عقیدہ نہیں بلکہ اس کے عین مطابق ہے۔ وہ کہنے لگے اگر قرآن سے یہی ثابت ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو کیا آپ اپنا یہ عقیدہ ترک کر دیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کیوں نہیں۔ اگر قرآن سے یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو مَیں انہیں زندہ ماننے لگ جاؤں گا۔ انہوں نے کہا مَیں پہلے ہی کہتا تھا کہ

مرزا صاحب بڑے نیک آدمی ہیں۔ وہ قرآن کے خلاف عمداً کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔ انہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اچھا آپ بتائیں اگر مَیں قرآن کریم سے سَو ایسی آیتیں نکال کر لے آؤں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت ہوتی ہو تو کیا آپ مان لیں گے۔ وہ چونکہ مولویوں سے یہ سُنا کرتے تھے کہ سارا قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ اس لئے اُنہوں نے سمجھا کہ سَو آیتیں تو ایسی ضرور ہوں گی جن سے ان کی زندگی ثابت ہوتی ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمانے لگے سَو چھوڑ آپ ایک آیت ہی ایسی لے آئیں تو میرے لئے وہی کافی ہے اور مَیں حضرت مسیح کی وفات کا عقیدہ ترک کر دوں گا۔ وہ کہنے لگے اچھا سو نہ سہی پچاس تو میں ضرور لے آؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مَیں تو کہہ چُکا ہوں کہ ایک آیت بھی کافی ہے سو پچاس کی شرط کی ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ کہنے لگے اچھا تو دس آیتیں تو مَیں ضرور ہی لے آؤں گا۔ مَیں پہلے ہی کہتا تھا کہ مرزا صاحب قرآن کے عاشق ہیں وہ قرآن کے خلاف کوئی بات مان ہی نہیں سکتے۔ ضرور انہیں کوئی غلطی لگی ہے۔ اب یہاں آکر میرے اس خیال کی تصدیق ہوگئی ہے۔ اچھا اب میں جاتا ہوں اور دس آیتیں ایسی لکھوا کر آپ کے پاس لاتا ہوں جن سے حضرت مسیح ناصری کی حیات ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لاہور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے ملنے گئے۔ مولوی صاحب اُس وقت مسجد میں بیٹھے ہوئے بڑے زور شور سے لافیں مار رہے تھے کہ مَیں نے نورالدین کو ایسی پٹخنیاں دیں۔ وہ حدیث کی طرف آتا ہی نہیں تھا مگر مَیں نے اسے اس قدر پٹخنیاں دیں کہ آخر وہ حدیث کی طرف آنے پر مجبور ہوگیا۔ دراصل بات یہ ہوئی کہ لمبی بحث سے تنگ آکر حضرت خلیفہ اوّل نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ اچھا قرآن کے علاوہ بخاری سے بھی تائیدی رنگ میں حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ بس اس پر وہ بے حد خوش تھے اور بار بار کہتے تھے کہ مَیں نے نورالدین کو خوب پکڑا۔ اتفاق یہ ہوا کہ اِدھر وہ یہ باتیں کر رہے تھے اور اُدھر یہ حاجی صاحب جا نکلے اور کہنے لگے بس اب اِس بحث مباحثہ کو ایک طرف رکھیں اور میری بات سُنیں۔ مَیں قادیان گیا تھا اور مَیں حضرت مرزا صاحب کو منوا آیا ہوں کہ اگر قرآن سے مَیں دس ایسی آیتیں نکال کر لے آؤں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ثابت ہوتی ہو تو وہ اپنے پہلے عقیدہ کو ترک

کر دیں گے بلکہ مَیں ان سے یہ بھی منوا آیا ہوں کہ وہ لاہور کی شاہی مسجد میں آ کر سب کے سامنے توبہ کریں گے اور واقع میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا بھی اقرار کر لیا تھا۔ ان کا منشا یہ تھا کہ توبہ ایسی جگہ ہو کہ سب کو معلوم ہو جائے اور یہ فتنہ جو اُٹھا ہؤا ہے دب جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا جہاں آپ کہیں گے وہیں مَیں توبہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ آپ پہلے دس آیتیں تو لے آئیں۔ غرض انہوں نے جاتے ہی کہا کہ مَیں مرزا صاحب سے سب کچھ منوا کر آیا ہوں۔ آپ اس جھگڑے کو چھوڑ دیئے اور مجھے فوراً دس آیتیں لکھ کر دیجئے تا کہ مَیں مرزا صاحب کو توبہ کرانے کے لئے یہاں لا سکوں۔ اس وقت چونکہ مولوی صاحب سخت جوش کی حالت میں اور بڑے فخر سے کہہ رہے تھے کہ مَیں نے نورالدین کو یوں پٹخنیاں دیں، مَیں نے اُسے گردن سے اِس طرح پکڑا۔ اُنہوں نے جب یہ بات سُنی تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور غصّہ سے کہنے لگے تجھ جاہل کو کس نے کہا تھا کہ تو مرزا صاحب کے پاس جائے۔ مَیں دو مہینے سے جھگڑ جھگڑ کر نورالدین کو حدیث کی طرف لایا تھا تُو پھر بحث کو قرآن کی طرف لے گیا۔ وہ آدمی تھے نیک انہیں یہ فقرہ کھا ہی گیا۔ وہ سادگی سے یہ سمجھتے تھے کہ قرآن سے حیاتِ مسیح ثابت ہے اور وہ اسی امید میں خیالی پلاؤ پکا رہے تھے اور خیال کرتے تھے کہ جہاں سارے ہندوستان کے مولوی ناکام رہے ہیں وہاں مَیں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا اور مرزا صاحب سے توبہ کراؤں گا۔ پس انہوں نے جونہی یہ فقرہ سُنا کہ مَیں دو مہینے بحث کر کر کے نورالدین کو حدیث کی طرف لایا تھا تو پھر بحث کو قرآن کی طرف لے گیا تو وہ تھوڑی دیر تو حیرت اور استعجاب سے خاموش بیٹھے رہے پھر اُٹھے اور مولوی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا کہ اچھا مولوی صاحب جدھر قرآن اُدھر ہی ہم اور یہ کہہ کے مجلس سے چلے گئے۔

اب انہوں نے نہ کوئی دلیل سُنی، نہ کوئی نشان دیکھا، نہ کوئی مباحثہ سُنا۔ صرف انہوں نے یہ فقرہ سُنا اور سمجھ گئے کہ قرآن مرزا صاحب کی تائید میں ہے اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ جدھر قرآن ہے اُدھر ہی مجھے ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اُنہوں نے قادیان آ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی۔ تو حق یہ ہے کہ جو شخص اس مقام پر کھڑا ہو جاتا ہے کہ بجائے اس کے کہ اپنے جذباتِ غیرت کا پاس کرے وہ یہ فیصلہ کر لے کہ جدھر میرا خدا ہے اُدھر ہی مَیں

ہوں گا وہ کبھی ناکام نہیں ہوسکتا، وہ کبھی نامراد نہیں ہوسکتا، وہ کبھی شکست نہیں کھا سکتا۔ یہی وہ مقام ہے جس کے بعد کوئی گمراہی نہیں اور یہی وہ مقام ہے جس کے بعد ساری دُنیا کے شیطان مل کر بھی اگر انسان کو گمراہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے کیونکہ اس نے ایک ایسے عُروہ وُثقٰی کو پکڑ لیا ہے جس کے لئے ٹوٹنا مقدر نہیں۔ وہ کھچا ہوا اپنے خدا کی طرف چلا جائے گا۔ پس جس شخص کے دل میں یہ ایمان ہو کہ جدھر میرا خدا ہے اُدھر مَیں ہوں اسے شیطان نہ دوستوں کی محبت سے ورغلا سکتا ہے نہ رشتہ داروں کی محبت سے ورغلا سکتا ہے، نہ علم سے ورغلا سکتا ہے اور نہ کسی اَور طریق سے ورغلا سکتا ہے کیونکہ شیطان اسے یہ تو کہہ سکتا ہے کہ یہ دوستوں کی محبت کا تقاضا ہے، یہ رشتہ داروں کی محبت کا تقاضا ہے، یہ قومی غیرت کا تقاضا ہے، یہ اسلامی محبت کا تقاضا ہے مگر وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ قرآن کا تقاضا ہے۔ وہ انسانی طبیعت کو سو طرح اُبھار سکتا ہے، وہ لالچ دے سکتا ہے، وہ ڈراوے دے سکتا ہے، وہ جذبات برانگیختہ کر سکتا ہے مگر وہ قرآن کی آیت اپنے پاس سے نہیں بنا سکتا کیونکہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور وہی اس کا حافظ و ناصر ہے۔ پس جب کوئی شیطان قرآن کی آیت اپنے پاس سے نہیں بنا سکتا تو وہ شخص جو یہ فیصلہ کر لے کہ مَیں اُدھر ہی ہوں گا جدھر قرآن ہے وہ گمراہ کس طرح ہوسکتا ہے۔

غرض جو شخص اس مقام پر کھڑا ہو جائے کہ جدھر خدا ہے اُدھر مَیں ہوں۔ جس کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ جدھر قرآن ہے اُدھر میں ہوں وہ کبھی ٹھوکر نہیں کھا سکتا۔ کیونکہ انسانوں کے لئے خدا تعالیٰ کا کوئی حُکم نہیں جو قرآن سے باہر ہو اور قرآن کا کوئی لفظ نہیں جو خدا تعالیٰ سے باہر ہو۔ پس جدھر خدا ہے اُدھر قرآن ہے اور جدھر قرآن ہے اُدھر خدا ہے اور وہ جس نے کہا کہ جدھر خدا ہے اُدھر مَیں ہوں اس نے یہی کہا کہ جدھر قرآن ہے اُدھر میں ہوں اور جس نے کہا کہ جدھر قرآن ہے اُدھر مَیں ہوں اس نے یہی کہا کہ جدھر خدا ہے اُدھر مَیں ہوں اور ایسے شخص پر شیطان کا کوئی حملہ کارگر نہیں ہوسکتا۔ وہ انسانی علم کی کمی کی وجہ سے عارضی طور پر دھوکا کھا سکتا ہے۔ وہ عارضی طور پر کسی بات کو صحیح طور پر سمجھنے سے قاصر رہ سکتا ہے مگر وہ فنا نہیں ہوسکتا، وہ گمراہ نہیں ہوسکتا کیونکہ اس نے خدا کو پکڑا ہوا ہے اور جس نے خدا کو پکڑا ہوا ہو وہ گمراہ نہیں ہوسکتا۔ اگر تمہارا ہاتھ تمہارے کسی دوست نے پکڑا ہوا ہو اور وہ تیز رفتار ہو اور تم سُست رفتار تو تم

جھٹکے کھا سکتے ہو، تمہاری ٹانگیں ادھر اُدھر ہو سکتی ہیں، تمہارا سر اِدھر اُدھر لڑھک سکتا ہے مگر تم جاؤ گے وہیں جہاں تمہارا دوست جائے گا۔ اسی طرح وہ شخص جس نے اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں دے دیا اس کو جھٹکے بے شک لگیں اس کا پیر بے شک پھسل جائے مگر وہ جائے گا اُدھر ہی جدھر خدا ہے کیونکہ جس نے خدا کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا وہ کبھی گمراہ ہو کر غلط راستہ پر نہیں جا سکتا۔

پس یاد رکھو ہماری جماعت کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ وہ اسلام اور احمدیت کو پھیلائے، وہ نیکی اور تقویٰ اپنے اندر پیدا کرے اور اسلامی نظام کی ترقی کے لئے انہی راستوں کو اختیار کرے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کئے ہیں۔

پس تم میں سے خواہ کوئی عالم ہوں یا جاہل، چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اگر وہ جذبات کی رَو میں بہہ جائیں گے، اگر وہ اس رستہ کو ترک کر دیں گے جو ان کی ترقی کے لئے خدا نے مقرر کیا تو وہ احمدیت کے دوست نہیں بلکہ بدترین دُشمن ہونگے مگر وہ جو اپنے جذبات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسی راستے کو اختیار کرتا ہے جو خدا نے اس کی ترقی کے لئے مقرر کیا وہ احمدیت کا خادم ہے اور ایسے خادم کبھی ناکام نہیں ہؤا کرتے۔'' (الفضل ۱۴؍ستمبر ۱۹۳۹ء)

۱؎ السیرة النبویة لابن اهشام ۔ الجزء الثالث صفحه ۳۳۲ ۔زیرعنوان امر الهدنه۔ مطبع مصطفى البابی الحلبی و اولاده مصر ۱۹۳۶ء

۲؎ البقره :۱۳۲

۳؎ سنن الترمذی ۔ کتاب الرضاع۔ باب ماجاء فی کراهیة الدخول علی المغیبات

۴؎

۵؎ السیرة النبویة لابن هشام۔ الجزء الثالث۔صفحہ ۳۳۱۔زیرعنوان امر الهُدنه۔مطبع مصطفى البابی الحلبی و اولادهٗ مصر ۱۹۳۶ء

۶؎ البقره :۱۳۰